ایمان اور استقامت

از کتاب ایمان اور زندگی شیخ یوسف القرضاوی

(من كتاب الإيمان والحياة للشيخ يوسف القرضاوي)

مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ ہر صورتِ حال اس کے لیے اپنے دامن میں بھلائی رکھتی ہے۔ اور یہ صرف مومن ہی کا خاصہ ہے۔ اگر وہ خوشحال ہوتا ہے تو شکر کرتا ہے ، جو اس کے لیے سراپا خیر ہے اور اگر بدحالی و مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے بہتر ہے۔ فرمانِ رسول اللہ ﷺ۔

امید ، رضا ، سکونِ قلب اور محبت ، ایمان کے وہ پسندیدہ ثمرات ہیں جن سے ہر صاحبِ ایمان مستفید ہوتا ہے ، اور جو معرکہء حیات کے مصائب و آلام سے پُر اور صبر آزما لمحات میں خاص طور پر مومن کے بہترین ہتھیار سمجھے گئے ہیں۔ اِن ہتھیاروں کی مستقل ضرورت کا احساس اس وقت اور بھی شدید ہو جاتا ہے، جب دنیا کی حقیقت اِنسان پہ آشکار ہوتی ہے، یہاں دنیا میں حادثات ناگزیر ہیں، شدائد و محن سے ساکنانِ ارض دوچار ہوتے رہتے ہیں۔

حیاتِ دنیا میں مصائب و آلام کا وجود اللہ کی سنت کے عین مطابق ہے اور یہ سب انسانوں سے متعلق ہے۔ لیکن اللہ کے پیغمبر ﷺ گردشِ روزگار کا خاص طور پر شکار ہوئے ہیں۔ قصہ آدم و ابلیس ، کشمکشِ ابراہیم و نمرود ، معرکہ موسیٰ علیہ السلام و فرعون اور محاربہ محمد ﷺ و ابو جہل، معرکہ حق و باطل کے مختلف مظاہر ہیں۔

ہم نے تو اسی طرح ہمیشہ شیطان انسانوں اور شیطان جِنوں کو ہر نبی کا دُشمن بنایا ہے جو ایک دُوسرے پر خوش آیند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر القا کرتے رہے ہیں۔ (الانعام : 112)

انبیاء آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالے گئے اور ان کے جانشینوں کے ساتھ یہی سلوک ہوا اور ہر وہ شخص جو اُن کی بتائی ہوئی راہِ حق پر گامزن رہا، دینِ حق کے باغیوں نے انہیں تکلیفیں پہونچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا۔ مصیبتوں کے پہاڑ کن انسانوں پر ٹوٹتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا انبیاء و رسل پر ، پھر وہ جو حق کی پیروی اور صداقت میں ان سے زیادہ قریب ہوں، پھر وہ جو ان کے مشابہ ہوں۔ یاد رکھو! آدمی پر یہ ابتلا اس کے دین کے مطابق آتے ہیں۔ اگر وہ دین کی پیروی میں زیادہ سخت ہو تو اس کی آزمائشیں بھی سخت ہوتی ہیں اور اگر اس کا دین کمزور ہو تو اُس پر نازل ہونے والی مصیبتیں بھی معمولی ہوں گی۔

اہلِ ایمان کے استقامت کی مثالیں

حضرت یحیٰ علیہ السلام کے عہد کا یہودی فرمانروا ہیرو دایئنٹی نے ان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا تھا۔ اور صرف اتنا ہی نہیں اس نے حضرت یحیٰ علیہ السلام کا سر بھی قلم کرا دیا۔ یہ وہ سلوک تھا جو یہود نے اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کے ساتھ کیا ۔ اس کے مقابلے میں وہ ثبات اور استقامت تھی جو ہمیں سیدنا یحیٰ علیہ السلام کی ذات میں مجسم ملتی ہے۔

نبیِ آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی ساری زندگی یوں استقامت کی جیتی جاگتی مثال ہے تاہم ابتلاء و آزمائش کا وہ دور جس سے آپ ﷺ منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد گزرے اور جو مکی زندگی کے آخری سالوں میں شدت اور سنگینی کے اعتبار سے دورِ عروج پر تھا، اس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہماری مراد شعبِ ابی طالب میں آلِ ہاشم کے محصور ہونے سے ہے۔ آدمی بسا اوقات تنہا ایک مصیبت کو برداشت کرلیتا ہے۔ لیکن جب وہ مصیبت ایک شخص کی وجہ سے پورے خاندان اور برادری پر ٹوٹ رہی ہو اور اس ابتلاء کا سلسلہ دو چار دس دن تک نہیں، بلکہ سالوں تک پھیلا ہوا نظر آئے تو برادری کے مختلف المزاج اصحاب کا ردِ عمل دیکھ کر بڑے بڑے دِل گردے کے انسان بھی ہل جاتے ہیں اور اُن کے پائے ثبات میں لغزش آجاتی ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی استقامت اِس معنیٰ میں بے مثال ہے کہ آپؐ آلِ ہاشم سمیت پورے تین برس اِس گھاٹی میں رہے۔ مصیبت اور محصوری کا یہ دور ختم ہوا ہی تھا کہ ابو طالب اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کا چند ہی دنوں میں یکے بعد دیگرے انتقال ہوگیا۔ اِن دونوں ہستیوں کا اٹھنا تھا کہ کفارِ قریش اذیت رسانی میں کچھ زیادہ ہی دلیر ہوگئے اور فقرو فاقہ کا عالم جو پہلے ہی ناگفتنی تھا اِس میں اور بھی شدت آگئی۔ انھیں المناک حالات کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ کی اطاعت کرنے کی بنا پر اِس قدر خوفزدہ کیا گیا کہ اتنا خوف کسی دوسرے کو نہیں دلایا گیا اور اللہ کے احکام بجالانے کی وجہ سے اس قدر اذیت پہونچائی گئی کہ اتنی اذیت میں کسی دوسرے کو کبھی مبتلا نہیں کیا گیا اور مجھ پر ایسے سخت حالات آئے کہ متواتر تیس دن تک میرے اور بلالؓ کے لیے کھانے کو کوئی چیز نہ ہوتی۔ کوئی چیز جسے جاندار کھا سکے سوائے اِس قلیل مقدار کے جو بلال زیرِ بغل رکھتے (ترمذی براویت انس)۔

ظلم و ستم کا نشانہ تنہا رسولِ پاکؐ ہی نہ تھے بلکہ اِس دور میں کم و بیش ہر مسلمان پر ستم ہوا اور اسے نہایت کڑی آزمائشوں سے گذرنا پڑا۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے، انہیں جس اذیت سے دوچار کیا گیا وہ ہم سب جانتے ہیں۔ حضرت خبابؓ بن ارت کو قریش نے طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایک دن کوئیلے جلا کر زمین پر بچھائے گئے اور اِ ن پر انہیں چت لٹا دیا گیا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، یہاں تک کہ کوئیلے پیٹھ کے نیچے دب کر ٹھنڈے ہوگئے، حضرت عمار، ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر بھی جو رو جفا کے پہاڑ ٹوٹتے رہے۔

اصحابِ رسول ﷺ میں سے چند ایک کی استقامت کا یہ تذکرہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پوری اسلامی تاریخ اہلِ ایمان کی استقامت سے مزین ہے۔ صحابہ کرام کے بعد تابعینِ عظام، ائمہ اربعہ، محدثین اور دیگر بے شمار صلحائے امت کی زندگیاں اِس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ صرف ایمان ہی ہے جو بندگانِ خداکو انتہائی نامساعد حالات میں استقامت بخشتا ہے۔ طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں حوصلگی اور جرأت سے ڈٹ جانے کی تعلیم دیتا ہے اور سنگ و آہن سے مضبوط عزم و ہمت عطا کرتا ہے۔

منکرینِ خدا مصیبتوں سے زیادہ گھبراتے ہیں۔

اس کے برعکس تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ سب سے زیادہ گھبراجانے والے اور شدائدِ حیات کے سامنے جلد گھٹنے ٹیک دینے والے لوگ بالعموم وہ ہوتے ہیں جو خدا کو نہیں مانتے یا ریب و تشکیک کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ منکرینِ خدا ہمیشہ بے اطمینانی اور گھبراہٹ سے دو چار رہتے ہیں۔

اہلِ ایمان کی استقامت اور اس کا ماخذ

مومنین سب سے زیادہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہر نوع کی مصیبتوں پر ثبات و استقامت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ حیاتِ دنیا کو حیاتِ اخروی کے مقابلے میں بہت حقیر سمجھتے ہیں، اتنا حقیر کہ اس کے درد و الم کو خاطر میں نہیں لاتے۔

قل متاع الدنیا قلیل و الآخرۃ لمن اتقیٰ

دوسری وجہ یہ ہے کہ مومن حیاتِ دنیا کے بارے میں سنت اللہ کا واضح شعور رکھتا ہے۔ وہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ دنیا میں انسان کو عقل و فکر اور ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ اس کی آزمائش کی جائے۔ چنانچہ اسے مصائب کے نزول پر کوئی تعجب نہیں ہوتا، البتہ اسے تعجب اس وقت ضرور ہوتا ہے جب دارالمحن میں دارالجزاء کی سی سہولتیں میسر آجاتی ہیں ۔ تیسری چیز جو اہلِ ایمان کو ثبات و استحکام عطا کرنے والی ہے وہ اپنے پیشروؤں کے حالات ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ صداقت کے علمبردار ہر دور میں ستائے جاتے رہے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جلتی آگ کے شعلوں میں پھینک دیا گیا۔ اور سیدنا زکریا علیہ السلام کو آرے سے چیرڈالا گیا۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف کے بازار میں اِس قدر لہولہان کیا گیا ۔ یہ خوفناک مظالم اور ان پر حضرات انبیاء کی مثالی استقامت اہلِ ایمان کی نظروں کے سامنے رہتی ہے اور ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دیتی۔

تقدیر پر ایمان، مومن کے لیے ابتلاء کو آسان بنادیتا ہے۔

نازل ہونے والی ہر مصیبت کے بارے میں مومن یہ سمجھتا ہے کہ یہ کسی اندھی بہری طاقت کی طرف سے بے سوچے سمجھے پڑنے والی افتاد نہیں، بلکہ وہ قضائے مبرم اور نوشتہ تقدیر ہے جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا اور اِ س قضا کے پیچھے اس حکیم و دانا کا علم و ارادہ کار فرما ہے، جو بندے کی قوت و طاقت اور ابتلاء کی سختی و شدت کا خوب اندازہ رکھتا ہے۔ جِس کا ہر فیصلہ کمال درجہ کی حکمت پر مبنی ہوتا ہے ، جس کی رحمت و شفقت اس کے قہر و غضب پر بہرحال غالب رہتی ہے۔ دورانِ مصیبت مومن کے ذہن میں یہ بات بھی برابر رہتی ہے کہ زندگی کی تلخیاں اور حادثات اِس کے لیے قیمتی اسباق ہیں اور دین و دنیا کے نفع بخش تجربات بھی جو اس کے مزاج کو پختگی اور اس کے ایمان کو جِلا بخشتے ہیں۔ اور اسکے دل کا زنگ دور کرکے رکھ دیتے ہیں۔ مومن اللہ کی تقدیر پر مکمل بھروسہ رکھتے ہوئے دنیا کی آزمائش کی بھٹی سے گزر جاتا ہے آفات و حوادثِ روزگار کو زیادہ محسوس نہیں کرتا۔

مصائب دنیا اہلِ ایمان کی نظر میں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بیک وقت دو مصیبتیں آئیں ۔ ایک کا تعلق دین سے تھا۔ دوسری کا دنیا، یعنی یا تو عزیز مصر کی بیوی کی ناجائز خواہش پوری کریں یا برسوں جیل میں رہیں۔ مگر یوسف علیہ السلام نے اپنے اللہ سے عرض کیا میرے پروردگار ! مجھے جیل خانے کی زندگی اس کام سے عزیز تر ہے، جس کی طرف یہ لوگ مجھے بلاتے ہیں – یوسف 33

سلف میں سے ایک بزرگ نے فرمایا: مجھ پر جب کوئی دنیاوی مصیبت آتی ہے مجھے احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تین احسانات کیے ہیں جن کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے ۔ پہلا احسان یہ کہ اِس مصیبت کا تعلق میری دنیا سے ہے میرے دین سے نہیں ، کیوں دنیا کے نقصان کی کوئی بات نہیں مگر دین کا نقصان تو نا قابلِ تلافی نقصان ہے۔ دوسرا احسان یہ کہ جو مصیبت آئی ہے اس سے بڑی مصیبت میں بھی اللہ تعالیٰ مبتلا کرسکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بچالیا۔ تیسرا احسان یہ کہ مصیبت پر صبر کرنے کا ثواب اللہ تعالیٰ میرے نامہء اعمال میں لکھ دیتے ہیں جو مجھے بہرحال ملنا ہے ۔ بنابریں، کسی مصیبت پر رنج و غم کا اظہار کرنے کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

حضرت عروہ بن زبیر فقہاء تابعین میں نہایت ممتاز مقام رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے ایک پاؤں کو ایسی بیماری لگ گئی کہ جس کی وجہ سے اطباء نے اسے بلاتاخیر کاٹنے کا حکم دے دیا تاکہ بیماری کے اثرات پنڈلی اور ران تک منتقل نہ ہوجائیں۔ حضرت عروہ نے پاؤں کو بخوشی آرے کے نیچے رکھ دیا، اِس موقع پر ان کی خدمت میں پینے کے لیے دوائی پیش کی گئی تاکہ ان کے حواس معطل ہو جائیں اور وہ قطعِ عضو کی تکلیف کو محسوس نہ کریں۔ جب آپ کو دوائی کی خاصیت کا پتہ چلا تو آپؒ نے فرمایا: "میں نہیں سمجھتا کہ اللہ پر ایمان رکھنے والا شخص ایسی دوائی پی سکتا ہے جِس کے نتیجے میں اس کا شعور معطل ہوجائے اور وہ کسی چیز کا ادراک نہ کرسکے حتیٰ کہ اللہ کا بھی۔ آئیے اور پاؤں کاٹ دیجیے، چنانچہ ٹخنے سے آپ کا پاؤں کاٹ دیا گیا اور آپ خاموشی سے سب کچھ دیکھتے رہے۔ معمولی تکلیف کا بھی آپ نے اظہار نہیں کیا۔ کرنا خدا کا اسی رات آپ کا بیٹا جسے آپ باقی تمام بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے چھت پر سے گرا اور جاں بحق ہوگیا۔ لوگ آپ کے پاس تعزیت کے لیے آئے تو اپ نے فرمایا " اللہ تیرا شکر ہے میرے سات بیٹے ہیں تو نے صرف ایک لیا ہے اور باقی چھ میرے پاس رہنے دیئے۔ خود مجھے تو نے ائے اللہ دو ہاتھ اور دو پاؤں دیئے تھے اور ان چار میں سے تین ابھی میرے پاس ہیں، صرف ایک ہی کاٹا گیا ہے۔ اگر تو نے میری یہ پیاری چیزیں لے لی ہیں تو دی بھی تو تو نے ہی تھیں۔ آزمائش تیری طرف سے آئی ہے تو عافیت سے بھی تو نے ہی نواز رکھا تھا۔

مذکورہ واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ:

اولا : مومن متاعِ دنیا کے نقصان کو چنداں اہمیت نہیں دیتا۔

ثانیا : وہ متوقع بڑی مصیبت کے پیشِ نظر موجودہ مصیبت پر بآسانی صبر کرلیتا ہے۔

ثالثا : وہ اس اجر پر نگارہ رکھتا ہے جو مصیبت پر صبر کرنے والے کو اللہ کی طرف سے عطا ہوگا۔ جیسا کہ حدیث ِرسول ﷺ میں ہے۔ مسلمان کو جو بھی غم یا فکر لاحق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان سب پریشانیوں اور مصیبتوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنادیتا ہے۔